

سیرت رسولؐ اور ڈاکٹر طہ حسین

رشید احمد جالندھری

طہ حسین نے ۱۹۳۳ء میں سیرت رسولؐ پر علیٰ حاشیہ السیرۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی اور پیش لفظ میں یہ کہا کہ یہ کتاب مؤرخین یا سکاالرز کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ انہوں نے سیرت رسولؐ پر پڑھتے وقت جو تاثرات لئے، وہ خود کا غریب منتقل ہونے کے لئے بے تاب ہو گئے کیونکہ تیسری روح (سیرت پڑھتے وقت، محبت سے) معمور ہو گئی، پیمانہ دل چمک اٹھا، میری زبان گویا ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ بے اختیار ان صفحات کو رقم کرا رہا ہوں۔ طہ حسین کے ساتھ بھی وہی بات ہوئی جو آج سے بہت پہلے عزالدین مقدسی کے ساتھ پیش آئی تھی، مقدسی نے بے اختیار ہر کہہ کیا تھا :

”میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو محبت کے راز کو فاش کر دیتے ہیں، مگر ہوا یوں کہ محبت کی دہنیں میرے دل میں رقص کرنے لگیں جس سے میرا دل جگمگا اٹھا اور راز، راز نہ رہا۔“ طہ حسین نے پیش لفظ میں مزید کہا کہ آج کلاسیکی ادب سے جو اپنا ایک فطری حسن رکھتا ہے، لوگوں کا تعلق نہیں رہا میں تارین کو اس ادب سے آشنا کرانا چاہتا ہوں۔ کلاسیکی ادب کو اس لئے ترک کر دینا کہ وہ ایک پرانی چیز ہے اور جدید کو اس لئے اختیار کرنا کہ وہ ایک نئی شے ہے، ایک مہمل دلیل ہے، قدیم کو صرف اس وقت چھوڑا جاسکتا ہے جب وہ ہر قسم کے فائدے سے خالی ہو، لیکن اگر وہ مفید اور نفع مند ہو تو پھر جدید کی بہ نسبت کسی طرح بھی کم اہمیت کا مالک نہیں ہے۔

طہ حسین تقلید سے نفرت کرتے ہیں، لیکن کلاسیکی ادب کے مذاج ہیں، مزید یہ کہ وہ سیرت رسولؐ پر قدما کی تحریروں کو کلاسیکی ادب کا حصہ شمار کرتے ہیں جس سے وہ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔ طہ حسین کی کتاب کا مآخذ سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ضعیف اور کمزور

وما کنتم من یظہر السراۃ : عروسِ حواہ فی ضمیری تجلت

فالقت علی سبغی اشعۃ ذرا : فلاحِ لیلۃ خفا یا طویحی۔

روایات بھی ہیں جن کو اہل نظر نے کبھی قبول نہیں کیا۔ طلحہ حسین کو اس بات کا احساس ہے چنانچہ انہوں نے یہ کہا: ممکن ہے کہ میری اس کتاب سے بعض لوگ کبیدہ خاطر ہوں اس لئے کہ وہ صرف عقل پر اعتماد کرتے ہیں، اور ان روایات کو قابلِ احترام نہیں جانتے جن پر عقل اعتماد نہیں کرتی۔ لیکن ان لوگوں کو علم ہونا چاہیے کہ عقل ہی سب کچھ نہیں ہے۔ لوگوں کی اور بھی فطری خواہشات ہیں جو عقل کی طرح اپنی غذا اور نشاط کی محتاج ہیں، اگر ان روایات سے عقل مطمئن نہیں ہے یا منطق خوش نہیں ہے یا علم کا انداز فکر اسے پسند نہیں کرتا تو نہ سہی لیکن اس بات سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ لوگوں کے جذبات، خیالات شعور ان روایات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اس طرح سے وہ زندگی کی مشکلات اور دکھوں سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لیتے ہیں۔ سو یہ روایات جہاں شرافت کے جذبات کو بیدار کرتی ہیں، شرفِ نفس پر تدخُن لگاتی ہیں وہاں زندگی کے مصائب اور اس کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔“

یہاں پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ طلحہ حسین ادب کو ایک مستقل وجود کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جہاں وہ ادب کو سیاست یا نئے نظریات کا آلہ کار بنانے کے خلاف ہیں، وہاں وہ اسے واضع یا اخلاقیات کا نقیب بھی بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حسن حسن ہے جو بذاتِ خود مطلوب و مقصود ہے۔ طلحہ حسین نے مزید کہا کہ ابوالعلاء معری ان لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے جو یہ کہتے ہیں کہ شہد کی مکھی انسان کے لئے شہد تیار کرتی ہے، وہ شہد خود اپنے لئے تیار کرتی ہے۔ رہا طلحہ حسین کا یہ کہنا کہ سیرت سے متعلق ادب و روایات انسان میں شرافت کے جذبات کو بیدار کرتی ہیں، شرفِ نفس پر تدخُن لگاتی ہیں، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ادب ان کے ہاں ایک مستقل وجود رکھتا ہے اور وہ نام ہے حسن و جمال کا تو پھر اس سے لطیف جذبات نہیں تو کیا بد ذوقی اور پستی رواج پائے گی۔ ۷

پہلی جلد ۱۹۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں انہوں نے عبدالمطلبؑ، رسول کریمؐ کے

۷۔ ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی پر طلحہ حسین نے کافی لکھا، اس سلسلہ میں ان کی ایک مشہور تقریر بیروت میں ہوئی جس کا پورا متن ’الآداب‘، مئی ۱۹۵۵ء، بیروت نے اپنے ایک خاص نمبر ’الآداب والحمیة‘ میں شائع کیا۔

داوا محترم۔ زمزم کی دریافت، عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی، عبداللہ کی سفرت تجارت پر روانگی اور واپسی پر راہ ہی میں وفات، یمن کی مذہبی حالت، رسول کریم کی ولادت مبارکہ، یتیمی اور دیہات میں پرورش، ان مسائل پر اپنے مخصوص انداز میں لکھا۔ پہلی جلد میں عبدالمطلب ایک ہیرو کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ عبدالمطلب کی وجاہت، حکمت و دانائی اور صبر و تحمل، غرضیکہ عبدالمطلب کی شخصیت کے یہ تمام حسین پہلو طہ حسین نے اس خوبی و روانی سے بیان کئے ہیں، کہ آدمی اپنے سامنے عبدالمطلب کو جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا دیکھتا ہے۔ جن لوگوں نے ہمارے پرلے دیہاتی بزرگوں کو دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان پڑھ دیہاتی بزرگوں کے جلو میں حکمت و دانائی کس شان سے چلتی ہے۔ ان کے روشن چہرے پر فوراً پیشانیاں، چمکتی آنکھیں اور معصوم مسکراہٹیں، زندگی کے دکھوں پر قابو پانے کا کیسے سبق دیتی ہیں۔ عبدالمطلب کی بلند و بالا شخصیت بھی اسی روپ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ سنگین حالات میں اپنے پر مکمل کنٹرول رکھ کر خود اعتمادی سے بات کرتا اور مخلوق خدا کی خدمت کرنا عبدالمطلب کا خاص وصف ہے۔

طہ حسین نے عبدالمطلب کے خود خال بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے مکہ کی لقی و دق جگہ میں زمزم کا چشمہ دریافت کیا اور یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اپنے محبوب جو ان سال بیٹے کی وفات کو انتہائی صبر اور وقار سے سنا، ہر چند کہ ان کا دل دہل دہل گیا تھا۔ یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اپنی بیوہ بہو کا ہر طرح سے خیال رکھا اور پھر جب مکہ پر نجاشی کے گورنر ابراہان نے حملہ کیا تو اس سے حملہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا کیونکہ خدا پر مکمل اعتماد اور ذاتی وقار مجروح ہو رہا تھا۔

عبدالمطلب کے بعد طہ حسین نے یمن میں جو قدیم تہذیب کا گہوارہ تھا، یہودیت اور نصرانیت پر لکھا کہ انہوں نے کس دانائی اور راستی سے حکمران خاندان اور عوام کے دلوں کو گرہمایا۔ طہ حسین نے ان دونوں مذاہب کے خدا رسیدہ لوگوں کی دعوت اور ذاتی کردار کو یمن میں مذاہب کے فروغ کا سبب قرار دیا۔ طہ حسین نے دوسرے مذاہب کی حسن و خوبی کا اعتراف جس انداز سے کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آدمی کی نگاہ سچائی پر جم جاتی ہے، تو پھر اس کے فکر و نظر پر فرقہ وارانہ تعصب کی کوئی پرچا نہیں پڑتی۔ لیکن جب آدمی کی زندگی سے مذہب کی سچی روح غائب ہو جاتی

ہے اور وہ پابندی رسوم کو عرفان ذات کا مقام دیتا ہے، تو پھر مذہب کے نام سے انسانی خون بھی گریا جاتا ہے، یہی کچھ مین کے حکمران خاندان نے کیا، ایک وقت تھا کہ مین کے بت پرست طاقتور حکمران تبع کو دور راست باز یہودی مذہبی رہنماؤں نے یثرب میں قتل و غارت سے روکا، پھر انہی روحانی رہنماؤں کی دانا ئی اور راست بازی کو دیکھ کر یہودی مسلک اختیار کر لیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا لیکن دین کی سچی روح سے عاری تھا اور پھر ایک وقت وہ آیا، کہ خود یہودی مسلک رکھنے والے یعنی حکمرانوں نے یہودیت کے نام پر لوگوں کا خون بہایا۔ تخران کے لوگ ایک خدا رسیدہ راہب کے ماتحتوں نصرانی ہو گئے۔ لیکن جب یہودی حاکم نے ان کو دوبارہ بزور یہودیت میں لانا چاہا تو اہل تخران نے انکار کر دیا۔ اس انکار پر بادشاہ نے اپنی حماقت اور جہالت سے ان لوگوں کو آگ میں زندہ جلادیا۔ یہی واقعہ تھا جس کی بنا پر قیصر روم کے کہنے پر نجاشی نے اپنا نمائندہ ابراہام پور سے سادو سامان کے ساتھ مین بھیجا یا تھا، مگر افسوس کہ جو غلطی مین کے یہودی حکمران سے ہوئی وہی غلطی گورنر ابراہام سے ہوئی جس نے مکہ میں کعبہ کو ڈھانا چاہا لیکن خود برباد ہوا۔ (ص ۶۵-۱۳۶)

ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد طلحہ حسین نے پھر اپنے ہمیر و عبدالمطلب کی کہانی چھیڑ دی، عبدالمطلب کی موت پر تفصیل سے لکھا کہ مرتے وقت عبدالمطلب کی نگاہوں میں خود اس کی اپنی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح سامنے آجاتی ہے، اور وہ اس کے ایک ایک ورق کو الٹ رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے ایک طویل زندگی کے بعد محسوس کیا کہ موت آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہی ہے اور اس کا تعلق اب اس دنیا سے ٹوٹ رہا ہے۔ چنانچہ بستر مرگ پر عبدالمطلب کے دماغ میں اس کی زندگی کے سارے واقعات ایک ایک کر کے گھومنے لگے۔ عبدالمطلب نے مقدونہ بھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کی، مختلف ملکوں میں تجارتی سفر کئے۔ مکہ میں اہل و عیال میں قیام رہا، مکہ کی صبح و شام کی پوری داستان اس کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ جس میں عبدالمطلب کو لوگوں کی بھلائی کے علاوہ کوئی فکر نہ تھی۔ یہ ساری باتیں اس کے ذہن میں گھومتی رہیں، وہ مشکلات اور مصیبتیں جن سے اسے واسطہ پڑا، بھی اس کی آنکھوں کے سامنے آگئیں۔ لیکن یہ مشکلات کبھی بھی ان کے بلند ارادوں پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ وہ اپنے بیٹے عبد اللہ کے بارے میں بھی سوچتا رہا کہ وہ کس قدر اس سے پیار کرتا تھا اور وہ کس طرح جوان ہوا، شادی ہوئی اور پھر جوانی ہی میں شام کا سفر کیا لیکن واپس گھر آنا نصیب نہ ہوا،

پھر اسے خیال آیا کہ کس طرح یتیم پوتے کی ولادت نے بیٹے کے غم کو ہلکا کیا وہ اپنے پوتے کو محمد یا احمد کے نام سے نہیں پکارتا تھا، بلکہ میرے بیٹے کے نام سے پکارا کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا: جابدا بنی و ذہب ابنی، میرا بیٹا آگیا، میرا بیٹا چلا گیا، اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس کا بیٹا (پوتا) ایک نہ ایک دن بہت بڑے مقام پر پہنچنے والا ہے۔ پھر یہ تنا بھی اس کے دل میں مچنے لگی کہ کاش اس کی زندگی میں اور اضافہ ہو جائے تاکہ وہ اپنے بیٹے کی عظمت اور شان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے، لیکن زندگی کو تنناؤں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا اور موت کی راہ کو زبردستی روکا نہیں جاسکتا۔ وقت نے لوگوں کے ساتھ کوئی ایسا عہد و پیمان تو نہیں باندھا کہ ان کی تنناؤں کو ہر قیمت پر پورا کیا جائے۔ کیا عبد اللہ کی زندگی نے اس کا ساتھ دیا کہ وہ اپنے یتیم بچے کو دیکھ سکے، بلکہ عبد اللہ کو مرتے وقت یقین تھا کہ اس نے اپنے بچے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ ایسے ہی کیا زندگی نے آمنہ کو مہلت دی کہ وہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہو سکیں؟ اس لئے اگر زندگی کی رفتار کسی کی خاطر نہیں بدلتی تو پھر آج عبد المطلب کے لئے وہ اپنا رخ کیوں بدلے جس نے کہ اس زمین پر سو سال سے بھی زیادہ مدت بسر کی ہے اور زندگی کی مسرتوں اور حسرتوں دونوں کا مزاج کھسا ہے۔ غرضیکہ عبد المطلب کے دماغ میں اس کی اپنی زندگی کا ڈرامہ چل رہا تھا دنیا سے عبد المطلب کے سفر کا نقشہ طلحہ حسین نے یوں کھینچا ہے گویا کہ عبد المطلب کے دل و دماغ میں دوڑنے والے خیالات پر طلحہ حسین کی نگاہیں شب خون مار رہی ہیں، اور عبد المطلب کے دل میں مہینے والی واقعات کی ندی میں طلحہ حسین خود تیرتے پھر رہے ہیں۔ طلحہ حسین نے مزید لکھا کہ عبد المطلب نے خود اپنی بیٹیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ جس طرح خواتین اپنے مردوں پر روتی ہیں اس طرح وہ بھی روتیں کیونکہ وہ اپنی موت پر ہونے والے فوج و ہلکا کو خود سنا چاہتا تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ خود اپنے آپ پر رونے کی ہمت رکھتا تو ایسا کر لیتا۔ چنانچہ اس کی بیٹیوں نے عبد المطلب کے محاسن اور فضائل کا ذکر کرتے ہوئے رونا شروع کیا اور ان کے دلوں میں عبد المطلب کی موت سے غم و حزن کی جولہرا مٹنے والی تھی، اس کی تصویر کھینچی، عبد المطلب کا بچہ چار پائی کے پیچھے کھڑا ہوا یہ سب چیزیں دیکھ رہا ہے، اور اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس پر خود اس کا اپنا دل بھرا یا اور اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ پڑے، جنہیں اگر عبد المطلب دیکھ لیتا تو شاید خوش ہوتا۔

بہر نزع عبدالمطلب دنیا سے رخصت ہو گئے ایک وقت تک ان کی یاد لوگوں کے دلوں میں باقی رہی اور پھر آہستہ آہستہ زندگی کے ہنگاموں میں تحلیل ہوتی گئی یہاں اس واقعہ کا ذکر دلچسپی سے غالی نہ ہوگا ۱۹۶۴ء میں جب مسٹر جسٹس چل فوت ہوئے تو ان کے جنازے پر جو انتظامات کئے گئے، ان انتظامات کی ترتیب خود جسٹس چل نے اپنی زندگی میں دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا جنازہ دھوم سے اُٹھے گا اس لئے اس نے خود ہدایات دیں کہ گھانے کی کونسی دھن گائی جائے، لندن کے کن بازاروں سے ان کا جنازہ گزرے اور فوج کے کون کون سے دستے ساتھ ہوں۔ عجیب بات ہے کہ جب ۱۹۵۲ء میں چرچل بادشاہ کے جنازہ میں جا رہا تھا، تو ایک مقام پر انتظامات کی ہلکی سی کوتاہی پر اس نے انتظامات کے سربراہ سے کہا کہ یہ حرکت میرے جنازے کے ساتھ نہ کرنا۔ عبدالمطلب کو خود اپنی عظمت کا احساس تھا۔ اس لئے اس نے اپنا مرثیہ خود سننے کی تمنا ظاہر کی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ کتاب کی پہلی جلد میں عبدالمطلب بہرہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں، چنانچہ طلحہ حسین نے عبدالمطلب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کھینچ کر قارئین کو یہ تاثر دیا کہ ایک مکمل اور خوبصورت شخصیت کسے کہتے ہیں۔ اس کے بعد طلحہ حسین نے ایک دوسرا باب رسول کریمؐ کے بچپن، جو اس پوری کتاب کے اصل بہرہ ہیں، کے بارے میں لکھا کہ کس طرح دیہات کی عورتیں مکہ میں آئیں تاکہ رواج کے مطابق مالدار بچوں کو تربیت کے لئے اپنی بستی میں لے جائیں۔ جب یہ عورتیں مکہ کے مالدار گھرانوں کے بچوں کو لے کر چلی گئیں تو ان میں سے ایک حلیمہ نامی خاتون کو کوئی بچہ نہ ملا اور اس ڈر سے کہ اسے خالی ہاتھ واپس اپنے گاؤں جانا پڑے گا مجبوراً آٹمنہ کے گھر آئیں اور اس یتیم بچے کے لئے مطالبہ کیا مثنوی میں بچے کی ماں نے ان دیہاتی عورتوں کے رویے کو دیکھ کر اپنا بچہ دینے سے انکار کیا لیکن حلیمہؓ کے مخلصانہ اصرار اور حلیمہؓ سے بچے کے انس کو دیکھ کر اپنا بچہ دینے کے لئے تیار ہو گئیں۔ جب حلیمہؓ اپنے خاوند کے ساتھ اسی بچے کو لے کر واپس اپنے گاؤں آئیں تو میاں بیوی نے محسوس کیا کہ ان کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ ان کی صبح اور شام نئے انداز سے طلوع ہو رہی ہے اور ان کی اقتصادی اور اجتماعی زندگی میں بہتری کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس یتیم بچے کے طفیل تھا جس کو شروع میں لینے سے وہ چھپکا مرٹ محسوس کر رہے تھے۔ مکہ میں دیہاتی عورتوں کی آمد، حلیمہؓ کی

نامیادی اور پھر آمنہ کے بچے کو لینے پر اصرار اور بستی میں بچے کی نشوونما اور حلیمہؓ کے گھر کی آبادی، ان سب واقعات کو بیان کرنے کے بعد طلحہ حسین نے لکھا کہ میں کسی ایسے بچے کو نہیں جانتا جو اس بچے کی طرح بچپن کی زندگی سے اس قدر متاثر ہوا اور اس نے زندگی بھر بچپن سے ملنے والی یادوں کو محفوظ رکھا ہو، جن لوگوں نے اس کے ساتھ حبسلائی کی اور اچھا سلوک کیا، ان کے ساتھ اس بچے نے برابر دنیا کی۔ جو نہی اسے احسان اور حبسلائی کے جواب میں اچھا سلوک کرنے کی ہمت ہوئی تو اس نے حسن سلوک کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا کردار لوگوں کے اندر ضرب المثل بن گیا اور دلوں میں عجیب و غریب اثر چھوڑا۔ ابولہب کی ثوبیہ نامی ایک باندی نے حلیمہؓ سے پہلے انہیں چند دن دودھ پلایا تھا۔ جب آپ کو اس چیز کا پتہ چلا تو آپ نے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھا اور اپنی بیوی خدیجہؓ سے کہا کہ وہ ابولہب سے اس باندی کو خرید کر آزاد کر دیں، لیکن ابولہب نہ مانا، لیکن اس کے باوجود آپ جب تک مکہ میں رہے آپ نے ثوبیہ کو اپنے کرم سے نازنا اور جب مدینہ تشریف لے گئے تو بھی اپنی ماں کو نہ بھولے۔ وقتاً فوقتاً آپ اس کے لئے کپڑوں اور دوسری چیزوں کا تحفہ بھیجتے رہے جب خیبر سے واپس ہوئے تو آپ سے کہا گیا کہ ثوبیہ رحلت کر گئی ہیں، آپ نے ان کے عزیز کے بارے میں پوچھا تاکہ اب اسے اپنے لطف سے نوازیں، پتہ چلا کہ ثوبیہ نے اپنے پیچھے کسی کو نہیں چھوڑا۔

بستی والوں کی زندگی مشکلات سے گھری ہوئی ہے۔ حلیمہؓ ایک دفعہ مکہ میں آئیں اور اپنے بیٹے سے زندگی کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے امداد مانگی، آپ نے خدیجہؓ سے کہا تو انہوں نے حلیمہؓ کو ایک اونٹ اور چالیس بکریاں عطا کیں۔ پھر دوسری بار آئیں تو آپ نے دیکھتے ہی ماں! ماں! کہہ کر پکا ملا اور اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ تمام عرب آپ کے سامنے سر ٹوکی ہوئے جنگ حنین میں خدانے آپ کو قبیلہ ہوازن پر فتح دی اور مال غنیمت میں جو کچھ ملا اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ دوسری صبح ہوازن کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اس نے کہا کہ آپ نے ہمارے قبیلے میں دودھ پیا ہے ہم نے آپ کو ایک نفیس بچے اور پاکیزہ نوجوان کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ آپ کا خاندان ہم ہیں۔ خدانے اگر آپ پر احسان کیا ہے تو آپ ہم پر احسان کریں۔ آپ نے اس قبیلے کے تمام آدمیوں کو اور مال و دولت کو جسے آپس میں تقسیم کیا گیا تھا، واپس لوٹا دیا۔ اس یتیم بچے نے جسے آگے چل کر انسانی تاریخ نے اولوالعزم

پیغمبر کی حیثیت سے یاد کیا، خود اپنے والدین کو کیسے یاد رکھا۔؟ اس کے بارے میں طلحہ حسین لکھتے ہیں کہ حدیث میں سال (۶۶ھ) مقام صوابہ سے گذرے تو اپنے پروردگار سے اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی چنانچہ آپ قبر پر گئے اور تھوڑی دیر رکے۔ استغفار کی اجازت مانگی نہ ملی آپ روتے ہوئے واپس ہوئے، آپ کو دیکھ کر سارے مسلمان بھی رو پڑے۔ فتح مکہ کے وقت مکہ میں ایک جگہ آپ کا گذر ہوا، آپ قبر پر گئے، شاید یہ قبر عبدالمطلب کی تھی، آپ نے یہاں بھی صاحبِ قبر کے لئے استغفار کی اجازت مانگی جو نہ ملی۔ آپ افسردہ واپس ہوئے، روئے جس پر سارے لوگ رو پڑے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ پہلے اس قدر کبھی نہیں روئے تھے۔ ان واقعات سے رسول کریمؐ کے جذبات کی رقت و لطافت کا بیان مقصود ہے، گردشِ یل و نہار ہوا بحرِ طبعی کی شام، ان میں سے کوئی بھی چیز پیغمبر کے لطیف جذبات پر اثر انداز نہیں ہو سکی، انہیں اپنی ماں سے یاد دادا بزرگوار سے جو محبت ہے وہی انہیں ان کی قبر پر لے گئی تھی۔

طلحہ حسین نے پہلی جلد میں عبدالمطلب اور رسول کریمؐ کے بچپن کے تذکرہ میں جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس کی تاثیر سے قاری کا دل و دماغ جھوم جھوم اٹھتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ طلحہ حسین ان واقعات کو پڑھتے وقت خود روئے ہیں اور اس کی چشمِ بخون بار نے اپنے آنسوؤں سے اس کتاب کو رنگین کیا ہے۔ اس لئے اس نے یہاں دوسروں کو بھی دلایا، طلحہ حسین نے اپنے پیشِ لفظ میں یہ درست ہی کہا تھا کہ منطق اس کے اسلوب کو پسند کرے نہ کرے، البتہ وہ انسانی جذبات و عواطف کو جو تحفہ دے رہے ہیں، اس کی قدر و قیمت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے۔ جس مقصد کے لئے طلحہ حسین نے کتاب لکھی اس میں وہ کہاں تک کامیاب رہے، اس کا فیصلہ تو پڑھنے والے ہی کریں گے اور وہ بھی دوسری اور تیسری جلد کا جائزہ لینے کے بعد، البتہ ہمارے نزدیک وہ ان لوگوں میں سے یقیناً نہیں ہیں جو خشک منطق کی سیما ہی سے سیرتِ رسولؐ لکھنے بیٹھتے ہیں اور پھر شکوہ کرتے ہیں کہ ان کی کتاب نے ان کی موت سے پہلے ہی دم توڑ دیا ہے۔
